Feminine Consciousness and Existential Resistance in Fakhra Noreen's Poetic Texts

فاخرہ نورین کے شعری متون میں نسائی شعور اور وجودی مزاحمت

Hafiza Arshia Tehreem*[1]
M.Phil Scholar, Department of Urdu ,Government College For Women University, Faisalabad.
Dr.Rukhsana Bibi *[2]
Assistant Professor, Department of Urdu, ,Government College For Women University, Faisalabad.

☆[1]حافظہ عرشیہ تحریم
ایم فل سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد
☆[2]ڈاکٹر رخسانہ بی بی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondance: Rukhsanabaloch@gcwuf.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 05-04-2026
Accepted:25-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This study explores the relationship between feminist consciousness and existential resistance in literature. Feminist consciousness reflects women's awareness of their identity, social position, and individual existence, while existential resistance refers to the struggle through which women challenge social, cultural, and ideological oppression in order to affirm their selfhood. The paper argues that women are not merely passive subjects of tradition but conscious and autonomous beings who continuously strive for recognition and freedom. Through literary representation, female characters express inner conflict, alienation, identity crisis, and the desire for self-determination, which together shape a distinct mode of resistance. The study highlights that feminist consciousness is not limited to the demand for rights; rather, it is a deeper intellectual and existential quest for self-awareness, dignity, and autonomy. In this

perspective, existential resistance emerges as a powerful expression of women's struggle to establish an independent identity against structures of domination.

KEYWORDS: Feminist Consciousness, Existential Resistance, Women's Identity, Selfhood, Gender Oppression, Alienation, Identity Crisis, Self-Determination,

ڈاکٹر فاخرہ نورین عہد حاضر میں جدید اردو ادب کی ایک اہم اور باوقار آواز ہے وہ ایک معروف ادیبہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سنجیدہ مفکر، سماجی تجزیہ نگار اور استاد بھی ہے بہت جلد ڈاکٹر فاخرہ نورین کا شمار ان لکھاریوں میں ہو گیا جو معاشرتی مسائل کو بہت بہادری اور لگن کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔اردو ادب میں نسائی شعور کے حوالے سے اٹھایا جانے والا قدم در حقیقت عورتوں کی شخصیت اور وجود کے تلاشی کے لیے تھا جو معاشرے کی سخت روایات کی وجہ سے کہیں کم ہو گیا تھا۔نسائی شعور سے مراد عورت کی ذہنی بیداری کا وہ درجہ جہاں پر وہ خود کو مظلوم صنف کی بجائے مکمل انسان کے طور پر خود کو پہچانتی ہے۔اردو ادب میں نسائی شعور ایکدم ہی نہیں آ گیا بلکہ یہ بتدریج اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا یہاں تک پہنچا۔ حقیقی حوالے سے (waves of feminism) کو دیکھا جائے تو اس کی تین لہریں سامنے آتی ہیں۔

- پہلی: قانونی طور پر حقوق اور اس کے ساتھ حق رائے دہی
- دوسری: تولیدی حقوق، سماجی ناہمواری اور گھریلو تشدد
- تیسری: شناخت کی سیاست، ثقافتی تنوع

اردو ادب میں ڈپٹی نذیر احمد سے راشد الخیری کا دور اصلاحی دور کہلاتا ہے۔اس میں نسائی شعور ہمیں "اصلاح نسواں" کے لبادے میں دیکھنے کو ملتا ہے جس کا مقصد عورت کو بہترین ماں اور ایک وفادار بیوی بنانا تھا۔دوسرا دور ترقی پسند تحریک اور باغیانہ شعور کا تھا اس کا مقصد عورت میں جنسی اور معاشی اور استحصال کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت پیدا کرنا تھا۔عصمت چغتائی اس حوالے سے اہم نام ہے جنہوں نے خواتین کو خود کے لیے آواز اٹھانے کی ہمت پیدا کی۔انہوں نے متوسط طبقوں میں عورت کو جنسی گھٹن کے خلاف زبان دی۔"لحاف" عصمت چغتائی کا ایسا افسانہ ہے جس کو نسائی شعور کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے یہ افسانہ عورت کے وجود اور اس کی خواہشات کا بیانیہ ہے۔اسی طرح انگارے" میں رشید جہاں نے عورت کی صحت اور سماجیت کو موضوع بنایا ہے۔

قراۃ العین حیدر سے خالدہ حسین تک کے دور کی بات کی جائے تو یہ دور جدیدیت اور وجودیت یعنی شعور ذات کے حوالے سے بہت اہم رہا۔ اس دور میں نسائی شعور فلسفیانہ طور پر ملتا ہے۔ قراۃ العین حیدر ہمیں تاریخ کے وسیع کینوس پر عورت کے وجود کا مقدمہ لڑتی ملتی ہیں۔ وہ اپنے ہاں عورت کو صرف ایک کردار نہیں بلکہ عورت کو تہذیبی شعور کی علامت کے طور پر سامنے لاتی ہیں اسی طرح خالدہ حسین کے ہاں عورت کے وجودی کرب اور داخلی تنہائی مابعد الطبیعیات کے انداز میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ شاعری کے حوالے سے یہ دیکھا جائے تو اس میں کشور ناہید کا نام نہایت اہم اور نمایاں ہے۔ کشور ناہید کی نظم "ہم گناہ گار عورتیں اردو ادب کی نسائی شاعری کا منشور کہلائی جاتی ہے۔ وہ اپنی شاعری میں پرانی چلی آئی ہوئی دیوار جیسی نئی علامتوں جیسے لب و رخسار کو رد کیا اور گناہ، بیڑیاں اور دیوار جیسی نئی علامتوں کو معنویت دی۔ اسی طرح فہمیدہ ریاض نے اپنی شاعری میں خواتین کے حیاتیاتی وجود کو فخر کے ساتھ شاعری میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین کا شمار اردو کی ان معتبر معاصر شاعرات میں ہوتا ہے جو اپنے گہرے فکری شعور کی بدولت نسائی شاعری کو نئی جہات عطا کرتی دیکھائی دیتی ہیں۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین کا نام نسائی شاعری کے حوالے سے ایک اہم نام ہے۔ ان کا شمار ادب کے ان توانا آوازوں میں ہوتا ہے جو نسائی شعور کو ایک احتجاجی رویہ نہیں بلکہ ایک مربوط جمالیاتی اور فکری نظریے کے طور پر سامنے لاتی ہیں۔ فاخرہ نورین علمی اور تحقیقی پس منظر بھی رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں نسائی شعور جذباتی پن کا شکار نہیں ہو پاتا انھوں نے اپنی شاعری میں نسائی وجودی کرب کو تاریخ، نفسیات اور سماجی ڈھانچوں کے تناظر میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے جس کی ایک بہترین مثال ان کی نظم "قانون کا جنگل" کے کچھ اشعار سے لی گئی۔

"آج ان کے لیے

کوئی حرف تسلی، کوئی آسرا، کوئی حرف ندامت

ہے کوئی سزا؟

بھیڑیوں کے لیے کوئی پھندہ نہیں۔

اور میرے لیے مشورہ واہ وا

اپنی رانوں میں دہکی ہوئی آگ کو میری غلطی بتاتے ہوئے

کتنے فرقوں سے میں تم سے "الہامی "احکام سنتی ہوئی

تم سناتے ہوئے

یعنی میں فاحشہ اور تم پارسا

واہ وا

بھیڑیوں کی حمایت میں نکلے ہوئے

پارسائی کے سب دعوے دارو

تمہارے لیے ماں کی گالی نہیں باپ کی گالی ہے "(1)

فاخرہ نورین کے شعری مجموعے کا عنوان ہی یعنی "سرمئی نظمیں" ان کے نسائی نظریے کی عکاسی کرتا دیکھائی دیتا ہے ۔ سرمئی رنگ ایسا رنگ ہے جو نہ تو سیاہ کی طرح مکمل اندھیرا ہے اور نہ ہی یہ رنگ مکمل سفید روشنی کی طرح واضع یہ ان دونوں کے درمیان کا رنگ ہے اور درمیان کی ہی کیفیتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ بلکل اسی طرح جس طرح ایک عورت اپنے ادھورے خواب اور خاموش سمجھوتوں کے درمیان اپنی شناخت کو بچانے کی کوشش کر رہی ہوتی ہے۔ فاخرہ نوریں اپنے کلام میں نعرے نہیں لگاتی اور نہ ہی چیخ و پکار کرتی ہے، بلکہ ان کی شاعری میں ہمیں باوقار مزاحمت ملتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں عورت کے مظلوم ہونے کا چرچا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کی استقامت کو بیان کیا ہے وہ عورت کے وجود کے لیے آواز بلند کرتی ہیں۔ انہوں نے لسانی و سماجی سانچوں کو للکارا ہے جو عورت کو ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ فاخرہ نورین ہمیشہ ایسی زبان و اظہار کی متلاشی رہیں ہیں جو مردانہ غلبے سے پاک ہو اور عورت اپنے حقیقی روپ میں ہم کلام ہو سکے۔ سرمئی نظموں میں ان کا نسائی شعور خود شناسی کا ہی دوسرا نام ہے۔ وجودیت کے حوالے سے ان کی شاعری عورت کے داخلی اور خارجی جبر کے بیچ پل کا کام سرانجام دیتی ہے۔ انہوں نے اپنے کلام کی بدولت عورت کو "انسان" کے طور پر، منوانے کی جدوجہد کی ہے۔

فاخرہ نورین کے ہاں وجودی جبلت مزاحمت اور اثبات ذات کے رنگ نمایاں ملتے ہیں۔ ان کے فن میں وجودی مزاحمت کے حوالے سے بات کی جائے تو اس میں ذات کا اثبات اور خود شناسی اہم پہلو ہے۔

انہون نے اپنی شاعری میں "میں" کا تصور انا پرستی کی بجائے اپنے وجود کو منوانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس معاشرے میں جہاں عورت کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے وہیں فاخرہ نورین ا اپنے وجود کی بازیافت کرتی نظر آتی ہیں۔ وجودی مزاحمت میں ایک پہلو ہجرت اور یاد ماضی بطور مزاحمت بھی سامنے آتا ہے۔ وجودیت کا ایک پہلو اجنبیت اور جلاوطنی بھی ہے آپ نے بہت سی ایسی نظمیں شامل کی ہے جو شوہر کے جلاوطن ہونے پر آپ نے لکھی اس کے ساتھ ان

کے ان کہ ہاں ہجرت اور یادماضی صرف نوحہ نہیں ہے بلکہ عہد موجود سے ہٹ کر ایک مثالی وجود کی تلاش کی علامتیں ملتی ہیں، فاخرہ نورین کے شعری مجموعے "سرمئی نظمیں" سے نظم "مسافر آنکھ پتھرانے لگی ہے" لی گئی ہے۔

"تم نجانے دور دیسوں میں کہاں کی خاک چھانے جا رہے ہو

کس گپھا میں چلہ کش ہو

رزق کی دیوی کے چرنوں کون پھولوں کا چڑھاوا پیش کرنے کے لیے

کیسی آذری بہروپ میں پھرتے چلے جاتے ہو روز شب

تمہارے پیر دکھتے ہیں تو میرے دل کی دھرتی

آبلہ پائی کی وحشت کا ادب کرتے ہوئے

دکھ اور نرمی اوڑھ لیتی ہے

یہاں میں دن رات بھوتوں سے لڑتی ہوں۔

مگر اس رزم کا کوئی تماشائی نہیں ہوتا

مسافر!

میں خود اپنی فوج کا سالار ہوں

میں خود کہانی گو

کہانی گو سے جب سالار کہتا ہے

"میاں رزم کام آجانے والوں کی کہانی لکھ"

تو لکھنے والے ڈرتا ہے

کہانی شبھ مہورت میں نہ کہنے سے مسافر راستہ بھی بھول سکتے ہیں

مسافر واپسی کا راستہ ہموار ہو، اس پر دعا کے دیپ روشن

آس کے گل پھول کھلتے ہوں تو جلدی لوٹ آتے ہیں۔

سویدھا جنگ میں مصروف رہتا ہے

کہانی کار پھولوں، اور چراغوں، اور دعاؤں کے خزانے سینت رکھتا ہے

مسافر!

منتظر آنکھیں مگر پتھرا گئی ہیں"(۴)

درجہ بالا نظم فاخرہ نورین کی آزاد نظم ہے۔ اس نظم میں انہوں نے وجودی مزاحمت، تنہائی اور خود کی جنگ خود لڑنے کے فلسفے کو بہت منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ اس نظم کا مرکزی موضوع وجودی اثبات اور تنہا جنگ لڑنا ہے۔ اس میں بنیادی تھیم ایسے فرد کی کہانی ہے جو کسی مسافر کے انتظار میں ہے مگر اس انتظار میں وہ ہمت نہیں ہارتا وہ خود کی "رزمیہ" جنگ کا خود ہی سالار ہے اور یہی اس کی وجودی طاقت کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ اس نظم میں مختلف علامات کو شامل کیا گیا ہے۔ علامت "مسافر" کو دور دیسوں میں بھٹکتے محبوب کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ پتھرائی آنکھیں یہاں جمود نہیں بلکہ انتظار کی علامت جہاں یہ انتظار اسے سخت اور مضبوط بنا دیتا ہے۔ "رزق کی دیوی" کو معاشی "جدوجہد" اور مادی ضروریات کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور" آبلہ پائی کی وحشت "کو دراصل تکلیفوں کو عزت دینا اور ان تکلیفوں کو برداشت کرنے کی ہمت کی علامت ہے۔

اس نظم میں موجود مصرع کہ "یہاں میں دن رات بھوتوں سے لڑتی ہوں" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ بیرونی دشمن سے زیادہ خود کے اندر کے خوف و تنہائی کے خلاف مزاحمت کرتی ہیں۔ وہ مسیحا کے انتظار کی بجائے خود اپنی فوج کی سالار بنی ہے اور یہی اثبات ذات کی انتہا ہے نظم میں جہاں ایک طرف پھولوں کا چڑھاوا اور دوسری طرف رزم کا ذکر ہے یہ دونوں چیزیں زندگی کی دوہری حقیقت کو بیان کرتی ہیں یعنی جہاں عقیدت و پیار ہے وہیں بقا کی کٹھن زدہ جنگ بھی ساتھ جاری ہے نظم میں موجود یہ مصرع "مگر اس رزم کا کوئی تماشائی نہیں ہوتا" وجودیت کے اس پہلو کو بیان کرتا ہے کہ انسان کی جنگ ہمیشہ اندرونی رہی ہے وہ جنگ جس کو دنیا نہیں دیکھ پاتی ان کے مجموعے میں موجود یہ خاموش مزاحمت ہی ان کا اصل اسلوب ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی ساجد، ڈاکٹر فاخرہ نورین کے شعری مجموعہ "سرمئی نظمیں" کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"یہ مجموعہ محض نظمیں نہیں ایک عہد کی عورت کی وہ صدا ہے جو صدیوں
کی خاموشی توڑتی ہے۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین، ایک ایسی شاعرہ جن کی تخلیق
ایک بیانیہ ہے، عورت کے فخر، وقار، اظہار اور شعور کا بیانیہ۔ آپ کے ہاں
صرف جذبات کا اظہار نہیں بلکہ ایک فکری بغاوت بلند ہوتی نظر آتی ہے جو
بوسیدہ معاشرتی سانچوں کو چیلنج کرتی ہے۔ نظموں میں لفظوں سے ایک ایسی
نسائی کائنات کی تخلیق، جہاں پر احساس کو زبان ملتی ہے اور ہر دکھ کو اظہار کا
وسیلہ ہوتا ہے جب وہ تنہائی کی کوکھ سے جنمی نظم لکھتی ہیں تو گویا لفظوں کا وہ
مرثیہ تخلیق ہوتا ہے جو وقت رنگ اور مصوری کی ہر حد سے بلند ہو جاتا ہے
حتیٰ کہ ماریو سیرونی کی ٹھیک ایک صدی پرانی تنہائی بھی اس کے سامنے
خاموش دکھائی دیتی ہے۔ بلاشبہ "سرمئی نظمیں" صرف ایک شعری مجموعہ
نہیں، یہ عورت کی توانا آواز ہے۔ ایک ایسی آواز جو دھیرے دھیرے، مگر
مکمل یقین سے ہمارے اندر گونجنے لگتی ہے۔"(۳)

اس مجموعہ کا انتساب بھی گہری فلسفیانہ بحث پر مبنی ہے جس میں وہ غزل اور نظم کے درمیان تخلیقی فرق کو نہایت منفرد انداز میں بیان کرتی ہیں کتاب کا انتساب ان کے شوہر "زبیر" کے نام ہے جس میں وہ روایتی سانچوں میں بیزاری کا اظہار کرتی ہے اور نظم کی انفرادیت کو بیان کرتی ہیں۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین نے انتساب میں غزل کی روایت کو تھوڑا سخت مگر دلچسپ استعاروں میں بیان کیا ہے۔ ان میں سے کچھ استعاروں کو یہاں بیان کیا گیا ہیں۔ سانچوں میں ڈھلی محبت غزل کی محبت یعنی محبوب، رقیب کو فاخرہ نورین نے ازلوں سے ڈھلے ہوئے سانچوں کا نام دیا ہے یعنی غزل میں موجود موضوعات تکرار کا شکار رہتے ہیں۔

بھیڑ چال اور یکسانیت، یہاں اس کے ذریعے شاعرہ یہ سوال کر رہی ہے کہ غزل "بھیڑ چال" سے اکتا کر کون نظم کے ایوان میں بول پائے گا۔ یعنی وہ غزل کو اکتاہٹ کے طور پر پیش کرتی ملتی ہے۔

اسی طرح "اینٹوں کا گارا" اس کے ذریعے ڈاکٹر فاخرہ نورین غزل کے روایتی کردار یعنی فرہاد، رانجھا، مجنوں کو اینٹوں اور گارے سے تشبیہ دیتی ہیں جو ایک طرح کی ہی عمارت کو قائم رکھنے کے کام آتے ہیں۔

اس کے ساتھ شاعرہ نظم کی خصوصیات میں نظم کی فوقیت اور اس کی تخلیقی آزادی کو بیان کرتی ہیں۔ اور گھونسلے کو بطور استعارہ استعمال کرتی ہیں ان کے نزدیک نظم ایسے ہی ہے جیسے گھونسلہ یک ایک تنکے سے جدا ہو کر بنتا ہے۔ یعنی نظم کا کوئی بھی مصرع یا لفظ سب اپنی الگ الگ اہمیت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ کسی پہلے سے طے شدہ فارمولے کا پابند ہوتا ہے۔ اس میں

فاخرہ نورین نے وزن سے زیادہ خیال کی شدت پر زور دیا ہے۔ ان کا لہجہ باغیانہ ہونے کے ساتھ احتجاجی بھی ہے جو قدیم شعری روایات کے مخالف ہے اور جدید شعور کی عکاسی کرتا ہے۔

نسائی شعور، سماجی قید اور وجودی سوال کے سلسلے میں ڈاکٹر فاخرہ نورین کی نظم "سیتا میں تجھ سے باغی" کو بیان کیا گیا ہے۔

"عجب مصیبت میں گھر گئی ہوں

گئی رتوں میں،

میں جتنی چاہت سے تیری قربت کی لذتوں سے کشید تی تھی

وہ انگبیں مے سے سرخ لمحات پر مسرت

کہ جن کے آنے کی چاپ میرے لہو سے باہر بھی بولتی تھی

میں ایک اک لمحہ کتنی شدت بھری ترازو میں تولتی تھی

میری سہولت کے دائرے میں پڑے ہوئے شخص کچھ تو بولو

مجھے بتاؤ یہ راز کیا ہے؟

اجازتوں سے بھرے علاقے میں رہنے والو

کوئی تو بولو

وفور جذبات کیا بلا ہے؟

یہ کیا وبا ہے کہ ما یتسر کی آرزو جان لے رہی ہے

لو اس قناعت سے ڈر گئی ہوں

میں---مر گئی ہوں(۴)

فاخرہ نورین کے شعری مجموعہ میں شامل یہ نظم جدید اردو نظم کے تناظر میں نسائی شعور اور وجودی سوالات کا ایک توانا اظہار ہے۔ یہ نظم صرف جذبات نہیں بلکہ اساطیری، سماجی ڈھانچوں اور انسانی نفسیات کا وسیع مطالعہ پیش کرتی ہے۔ نظم کا عنوان "سیتا" کے ارد گرد گھومتا ہے۔ بر صغیر کی روایت میں سیتا کو دیکھا جائے تو سیتا وفا، صبر اور قربانی کی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ نظم کا عنوان ہی "سیتا" میں تجھ سے باغی در حقیقت روایتی خاموشی اور مظلومیت سے انکار کرتا ملتا ہے جو صدیوں سے عورت کا مقدر بنتا رہا ہے۔ یہ بغاوت در اصل "سیتا" سے نہیں بلکہ تصور "سیتا" سے ہے۔ نظم کا مصرع "مری سہولت کے دائرے میں پڑے ہوئے شخص کچھ تو بولو" اجازتوں سے بھرے علاقے میں رہنے والو... یہ مصرع سماجی جبر کی عکاسی کرتا ہوا ملتا ہے۔ اس میں شاعرہ نے بہت طاقتور اصطلاح کا استعمال کر کے اس معاشرے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جدھر عورت کی خوشی حرکت اور ہر جذبہ کو اجازت درکار ہوتی ہے۔ وہ اس تحفظ و سہولت سے بیزاری کا اشارہ دیتی ہے جو دنیا نے ان کو قیدی بنا کر فراہم کی۔ اس نظم کی اسلوبیاتی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے علامتی نظام جیسے وفور جذبات اور سرخ لمحات جسے الفاظ استعمال کر کے نظم کو حسی (Sensory) رنگ دیا ہے۔ نظم "سیتا" میں تجھ سے باغی یہ ایک ایسی نظم ہے جو کلاسیک اساطیر کو موجودہ انسان کے مسائل سے جوڑتی ہے۔

اختتام پر میں –مر گئی ہوں کا اعلان ایک جسم کی موت نہیں بلکہ "احساس کی موت" کا اعلان ہے۔ ایک انسان کی زندگی جب اجازت کی زنجیر اور سہولت کی قید میں مقید ہو جاتی ہے تو انسان کی خود کی انفرادیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے یہی وہ نکتہ ہے جو فاخرہ نورین نے اپنی شاعری کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر فاخرہ نورین دور حاضر کی ان آوازں میں سے ہے جو اپنی شاعری کی بدولت سماجی شعور، نسائی احساسات اور جمالیاتی اقدار کو جلا بخشتی ہے فاخرہ نورین کی شاعری محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ گہرا فکری سفر ہے ان کی شاعری میں عورت ایک روایتی سا کردار نہیں ہے بلکہ عورت جیتا جاگتا اور سوچتا ہوا وجود ہے انہوں نے عورت کے داخل کے دکھ، اس کی محرومیوں اور سماج میں موجود عورت کی حیثیت کو نہایت جرات مندی سے بیان کیا ہے۔ شاعرہ کہ ہاں احتجاج کا لہجہ دھیما لیکن کاٹ دار ہے اس کہ ساتھ ان کے ہاں فطرت کے رنگ بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین نے کائنات اور انسان کے تعلق کو بھی کریدنے کی کوشش کی ہے جو ان کی تخلیقی سوچ کو وسعت عطا کرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ فاخرہ نورین، ڈاکٹر، سرمئی نظمیں، لاہور: کولاج پبلی کیشنز، ۲۰۲۵، ص:۲۹
2۔ ایضاً، ص:۹۹۔۹۸
3۔ راقمہ کا ڈاکٹر ذوالفقار علی ساجد سے انٹرویو، (بذریعہ ٹیلی گرام)، ۹ مارچ ۲۰۲۶، ۱۱ بجے صبح
4۔ فاخرہ نورین، ڈاکٹر، سرمئی نظمیں، ص:۱۱۰۔۱۰۹

References:

1. Fakhra Noreen, Dr., Surmai Nazmain , Collage Publications, Lahore, 2025, p. 29
2. Ibid, p. 98-99
3. Interview of Raqma with Dr. Zulfiqar Ali Sajid, (via Telegram), March 9, 2026, 11 am
4. Fakhra Noreen, Dr., Surmai Nazmain, Collage, p. 109-110